اصلاح عقائد اور بین المذاہب ہم آہنگی میں صوفیہ چشت کا کردار

The Role of Chishti Sufis in Interfaith Harmony and Reformation of Beliefs

Sadia Noreen *
Humayoon Abbas **

Abstract
There are four popular sufi orders in Indo-Pak one of them is Chishti order. Chishti order and their narrative and religious history have been an inseparable part of the historical, intellectual and ideological development of both the Indian and the Pakistani societies. Chishti order was founded by Khwaja Abu Ishaq Shami Chishti and the name of this order was derived from the village of Chisht in Afghanistan. The Chishti order is one of oldest and most popular Sufi movement in Indo-pak.. The most outstanding representative of this chishti order in subcontent is Moinuddin Chishti.after coming the Moinuddin Chishti, the Chishti order soon got popularity among Indo-pak masses and the islam was spreading rapidly. This order attracted Hindus, especially lower casts, and even members of lower scheduled castes into conversion of Islam. Chishti Sufis live and work for a healthy social order, free from all dissensions and discriminations. Contact with the state is greatly discouraged. The cornerstone of Chishti ideology is the concept of Unity of God. The Chishti Sufis always remained inside the fold of Islam, and their mystical attitude was not limited by their adherence to any of legal or theological schools.

مقدمہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی ہدایت اور تزکیہ نفس کے لیے پے در پے اپنی پسندیدہ ہستیوں کو بھیجا۔ پیغمبران عظام کا یہ سلسلہ نبی رحمت شفیع دوعالم ﷺ کی ذات گرامی پر ختم ہو گیا۔

سلسلہ نبوت کے اختتام کے بعد انبیائے کرام کے اس منشور کی ذمہ داری امت مصطفی ﷺ کے علماء اور اولیاء پر بالخصوص اور تمام امت مصطفےٰ ﷺ پر بالعموم ہے۔ حدیث مبارکہ کے مطابق:

حضور ﷺ نے فرمایا:

"العلماء ورثة الانبياء۔"(۱)

"علماء انبیاء کے وارث ہیں۔"

اسلام دین فطرت ہے اور مقام عبدیت انسان کی معراج ہے دین اسلام کے ہر عمل کی دو جہتیں ہیں ایک جہت تو ظاہری شکل کی صورت میں ہے اور دوسری جہت باطنی حقیقت سے تعبیر کی جاتی ہے مثال کے طور پر نماز کی ظاہری شکل قیام، تلاوت، رکوع سجود وغیرہ ہیں لیکن نماز کی اصل حقیقت ظاہر کے ساتھ ساتھ خشوع و خضوع ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کے سامنے عاجزی اور نیاز مندی کے ساتھ گریہ وزاری کرنا

* Lecturer, Department of Islamiyat, Government Saddiq College, Women University Bahawalpur/ Ph.D Scholor. G.S.U Faisalabad.
** Professor, Department of Uloom Islamiya, Government College University Faisalabad.

نماز کی باطنی جہت ہے۔ قرآن مجید میں جس کو تقویٰ کہا گیا اور حدیث میں جس کو احسان کہا گیا لمحۂ موجود میں اس کو تصوف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ احسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری کی ایک عظیم کیفیت کا نام ہے۔ تصدیق بالقلب احسان کی روح ہے۔ اتنی بڑی کیفیت بغیر مستقل مشق کرنے کے حاصل نہیں ہوتی چنانچہ اعمال صالحہ کو بجالانا دراصل تصوف کی روح ہے۔

آنحضور ﷺ کے عہد رسالت اور عہد صحابہ وتابعین میں تصوف اپنے ارتقائی عمل کے اعتبار سے پہلے مرحلے میں تھا۔ اس میں زہد وورع کا رنگ غالب تھا۔ مردان حق اپنی زندگی کے جملہ مراتب وکمالات بطریق احسن حاصل کرتے تھے اور خدا تعالیٰ سے قرب وحضوری کی نسبت اسی طرح متحقق ہوئی۔ ان سے بھی مستی وبے خودی اور خوراق کمالات کا ظہور ہوتا۔ یہ سلسلہ قرن در قرن چلتا ہے اور مردان حق ہر دور میں اصلاح نفس اور پھر اصلاح معاشرہ میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ مردان حق کے ان مختلف سلاسل میں سے سلسلہ چشتیہ بھی انبیاء کی اس وراثت کو لوگوں تک پہچانے اور اصلاح معاشرت اور تزکیہ نفس کا کام بجالانے میں کسی سلسلے سے کم نہیں۔ اس سلسلہ کے بانی میں تذکرہ نگاروں کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس کے بانی خواجہ احمد ابدال چشتی رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور بعض کے نزدیک خواجہ ابو اسحاق شامی رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ لیکن چونکہ اول الذکر آخر الذکر کے خلیفہ تھے۔ اس لیے خواجہ ابو اسحاق شامی رحمتہ اللہ علیہ سلسلہ چشتیہ کے سرخیل ہیں۔ لیکن تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ سلسلہ چشتیہ کو پاک وہند میں جاری کرنے کا شرف خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو حاصل ہے۔

خواجہ اجمیری کے مریدین اور خلفاء نے سلسلہ کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ کے خلفاء میں سے خواجہ قطب الدین، بختیار کاکی اور خواجہ حمید الدین ناگوری سر فہرست ہیں۔ ان کے علاوہ چشتیہ سلسلے کے مختلف بزرگوں نے مختلف صوبوں میں سلسلہ کی ترویج کی۔ چنانچہ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی تک سلسلہ چشتیہ، چشتیہ I کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ خواجہ چراغ دہلوی تک سلسلہ اپنے عروج پر رہا پھر رفتہ رفتہ سلسلہ چشتیہ اپنے زوال کی طرف آتے ہوئے پندرھویں اور سولہویں صدی میں سلسلہ چشتیہ اپنی مرکزیت کھو بیٹھتا ہے اور انفرادی طور پر بزرگ اصلاح معاشرت میں کوشاں رہتے ہیں۔ چشتیہ II کا آغاز شاہ کلیم اللہ دہلوی سے ہوتا ہے اور موجودہ دور تک ہے، شاہ کلیم اللہ نے سلسلے کی نشاۃ ثانیہ کا کام کیا۔ اسی لیے اس دور میں سلسلے کا کام اہمیت کا حامل ہے۔ ان میں سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے مشاہیر درج ذیل ہیں:

i۔ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی
ii۔ حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی
iii۔ شاہ فخر الدین دہلویؒ
iv۔ خواجہ نور محمد مہاروی
v۔ خواجہ نیاز احمد بریلوی
vi۔ خواجہ محمد عاقلؒ
vii۔ خواجہ حافظ جمال اللہ ملتانی

viii۔ خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

ix۔ خواجہ علی محمد خیر آبادی

x۔ خواجہ شمس الدین سیالوی

زیر نظر مقالہ میں سترہویں اور اٹھارہویں صدی میں برصغیر پاک و ہند میں عقائد میں بگاڑ اور بین المذاہب ہم آہنگی کے حوالے سے درپیش چیلنجز کا جائزہ لیتے ہوئے ان سے نمٹنے کے لیے سلسلہ چشتیہ کے صوفیہ کی اصلاح عقائد اور بین المذاہب ہم آہنگی کے حوالے سے تعلیمات و خدمات اور عصر حاضر میں ان سے استفادہ کی صورتیں پیش کی جائیں گی۔

صوفیائے چشت کے نظام اصلاح و تشکیل معاشرت کے ضمن میں چند اصول ملتے ہیں۔ متقدمین اور متاخرین صوفیائے چشت شروع سے لے کر عصر حاضر تک انہی اصولوں پر کاربند نظر آتے ہیں۔ خصوصا سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے صوفیاء حالات کی ابتری کے پیش نظر ان اصولوں کو اپناتے ہوئے معاشرے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں یہ اصول ذیل میں دیے جاتے ہیں۔

i۔ پہلا اصول یہ تھا کہ انسان کے ادراک اور احساسات کو اصلاح عقائد کے ذریعے درست کر کے اعمال کی اصلاح کی طرف لایا جائے۔ اس اصول کی وضاحت خواجہ نظام الدینؒ کے ملفوظات سے یوں ملتی ہے کہ اول خطرہ وہ چیز ہے جو دل میں گزرے اور اسی اندیشے پر دل لگے۔ یعنی ارادہ فعل کی طرف رغبت دلائے عوام سے جب تک فعل سرزد نہ ہو مواخذہ نہیں ہوتا لیکن خواص سے خطرہ کی صورت ہی میں مواخذہ کر لیتے ہیں۔(۲)

انسان کا ادراک اور احساسات کا بلاواسطہ تعلق اس کی نیت سے ہے۔ چنانچہ صوفیہ چشت کا یہ اصول درج ذیل حدیث کی بنیاد پر قائم ہے کہ:

''نية المومن خير من عمله ''(۳)

''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔''

ii۔ ادراک اور احساسات کی اصلاح میں پیش پیش ذرائع کو بیان کرتے ہوئے صوفیائے چشت دوسرا اصول یوں بیان کرتے ہیں کہ نفس میں دشمنی غوغا اور فتنہ ہے اور قلب میں سکوت رضا اور نرمی ہے۔ لہٰذا اچھائی کی طرف رجحان کے لیے نفس کو کچلنے کی بجائے قلب کو بیدار کرنا ضروری ہے۔(۴)

صوفیائے چشت کے نظام اصلاح کا یہ اصول درج ذیل حدیث کے ضمن میں نظر آتا ہے۔

''الاوان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح الجسد كله و اذا فسدت الجسد كله، الاوهی القلب۔''(۵)

''خبردار، انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے (جس پر انسان کی اچھائی برائی کا مدار ہوتا ہے۔) وہ جب ٹھیک ہوتا ہے تو انسان ٹھیک رہتا ہے اور جب بگڑ جاتا ہے تو انسان میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس کا دل ہے۔''

iii۔ انسان کے افکار، رجحانات، ادراک اور احساسات پر واضح اثر انسان کا ماحول ڈالتا ہے۔ لہٰذا صوفیائے چشت نے اصلاحی نظام میں

تیسرا اصول صحبت صالح کو رکھا ہے۔

چنانچہ کلیم اللہ دہلوی نے مکتوبات کے ذریعے صحبت صالح کو سلسلہ چشتیہ کے اصلاحی پروگرام کا حصہ بنایا۔ جب کہ شاہ سلیمان تونسویؒ نے بد انسان کی صحبت سے بیزاری کے لیے ایک جگہ عوارف المعارف کی عبارت نقل کی کہ ایک سانپ ایسا ہوتا ہے کہ جس پر اس سانپ کی نظر پڑ جائے وہ جل جاتا ہے۔ جب حیوانات کے یہ اثرات ہیں تو پھر برے انسانوں کی صحبت کے کیا اثرات بد ہوں گے۔ (۶)

iv۔ صوفیائے چشت نے صحبت صالح کے بعد جس اصول کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے وہ توبہ ہے چنانچہ ترک معصیت میں جتنی معاون توبہ ہے کوئی اور چیز نہیں۔ یہ اصول درج ذیل آیت اور حدیث کی بنیاد پر ہے۔

'' یایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا''(۷)

''اے ایمان والو! اللہ کی طرف نصیحت آمیز توبہ کرو۔''

حدیث مبارکہ میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ توبہ کرنے والا ایسے چلے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ (۸)

خواجہ نظام الدین اولیاء کا قول ہے کہ :

''تو باد انابت در حال جوانی نیکو می آید، در پیری چہ کند کہ تائب نہ شود۔'' (۹)

چنانچہ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں صوفیائے چشت کو عقائد میں بگاڑ کے حوالے سے چیلنج سامنے آتا ہے۔ اس کا مفصل تطبیقی جائزہ لے کر صوفیائے چشت کے نظام اصلاح کے اصولوں سے عصر حاضر میں استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

اصلاح عقائد اور بین المذاہب ہم آہنگی/ تعلیمات صوفیائے چشت اور عصر، حاضر

مذہب کی بنیاد عقیدہ پر ہے اور عقیدہ کی درستی مذہب کی اصل روح کو زندہ رکھنے کے لیے ناگزیر ہے کیونکہ عقیدہ عمل پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کرام نے اصلاح عقائد پر زور دیا۔ چنانچہ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں بالعموم برصغیر کے حالات کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے عقائد پر دو طرح کے عقائد کی یلغار ایسی تھی کہ خاصا بگاڑ عقائد میں پایا جانے لگا۔ ان میں سے ایک چیلنج تو عقائد کے اعتبار سے ہندو مذہب کی طرف سے خارجی طور پر تھا اور دوسرا چیلنج عقائد روافض کی صورت میں داخلی طور پر تھا۔ صوفیائے چشت نے دونوں طرح کے حملوں کو پہچانا اور عقائد کی اصلاح کی چنانچہ ذیل میں معاشرتی طور پر عقائد کے بگاڑ کی مختلف صورتیں پیش کی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی موجودہ دور میں عقائد کے بگاڑ کا جائزہ لیا جاتا ہے کہ عصر حاضر میں بھی ان عقائد میں مختلف خرافات نے جگہ لے لی ہے چنانچہ ذیل میں ان خرافات کی مختلف صورتوں اور وجوہات کا جائزہ لے کر ان کے خاتمہ کے لیے صوفیہ کی تعلیمات سے استفادہ کی ضرورت کو بھی واضح کیا جاتا ہے اور اس ضمن میں دیگر تجاویز بھی پیش کی جاتی ہیں۔

ا۔ تحفظ عقیدہ توحید:

ہندو مت کے عقائد کا مسلمانوں کے عقائد پر ہمسائیگی کی وجہ سے ایک گہرا اثر تھا۔ جس کے نتیجے میں شرک کے اثرات مسلمانوں میں دکھائی دینے لگے۔ خاص طور پر اگر اٹھارھویں صدی کے لٹریچر کو دیکھا جائے تو صریحا یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں میں مشرکانہ رسومات پائی جاتی تھیں۔ مثلاً شاہ ولی اللہ اس دور میں تفہیمات میں درج ذیل برائیوں کو واضح کرتے ہیں۔

''تم غیر اللہ کے لیے قربانیاں کرتے ہو اور مدار صاحب اور سالا صاحب کی قبروں کا طواف کرتے ہو یہ تمہارے بدترین فعل ہیں۔''(۱۰)

یعنی غیر اللہ کے لیے قربانیوں اور صاحب مزار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی قبروں کا طواف تک کیا جانا مسلمانوں میں موجود تھا۔ اسی طرح ایک اور برائی شرک کی صورت میں عام تھی اور وہ غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کرنا تھا۔ جس میں اولیاء کی قبور کا سجدہ تعظیمی وغیرہ شامل ہیں۔ توحید وہ عقیدہ ہے کہ اسلام کے جملہ تمام عقائد کی جڑ ہے۔ اور اگر اس عقیدہ میں خرابی پیدا ہونی شروع ہو جائے تو دین اسلام کے بقیہ تمام عقائد کی کوئی اصل رہ ہی نہیں جاتی۔ برصغیر میں اس وقت میں سب سے پہلا خطرہ عقیدہ توحید کو زنگ لگنے کا تھا۔ اس کے عوامل میں سے ایک عمل تو ہندو مت کے عقائد کے اثر کی صورت میں تھا۔ جبکہ دوسرا عمل خود صوفیۂ خام کی عقائد و شعار اسلامیہ سے ناواقفیت تھی اور جاہل عوام کا صوفیۂ خام کی ہر طرح سے اتباع کرنا تھا چنانچہ یہ صوفیہ خام ہی کا اثر تھا کہ لوگ سجدۂ تعظیمی کی طرف راغب ہوتے تھے۔

صوفیائے چشت نے ان معاشرتی بیماریوں کا بطریق احسن علاج کیا اور اعلائے کلمۃ الحق کرتے ہوئے ان عقائد باطلہ کا بطلان کیا چنانچہ اس کی مثالیں ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے جب دہلی میں سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ کا فریضہ سرانجام دیا تو ایک اصول واضح کر دیا کہ چونکہ عقائد میں سے عقیدۂ توحید میں بگاڑ کی ایک بڑی وجہ مسئلہ وحدت الوجود کا نہ سمجھنا ہے تو اس ضمن میں فتوحات اور فصوص الحکم کا درس خواص کو دیا جائے اور مسئلہ وحدت الوجود کو عوام کے سامنے نہ چھیڑا جائے۔ اور خواص میں بھی بیان کرنے کی وجہ وحدت الوجود کی اصل کو جاننا اور پھر مخاصمہ کرنا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:

''آنکہ مسئلہ وحدت الوجود را شائع پیش ہر آشنا و بیگانہ نخواہید برزبان آورد۔''(۱۱)

یعنی مسئلہ وحدت الوجود کو ہر کس و ناکس کے آگے بیان نہ کیا جائے۔ صرف استعداد پرکھنے کے بعد بر محل و موقع اس پر بات کی جائے اور وحدت الوجود کی وجہ سے جو دقیق مباحث کو سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے۔ اس کا ازالہ مقصود ہونا چاہیے تاکہ حق بیان کیا جا سکے۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کا یہی اصول مابعد صوفیائے چشت نے اپنایا۔ چنانچہ شاہ نظام الدین، شاہ فخر الدین، شاہ نور محمد مہاروی، شاہ سلیمان تونسوی رحمھم اللہ وغیرھم نے یہی طریقہ اپنایا کلمہ وحدت الوجود کو ہر کس و ناکس کے سامنے بیان نہ کرتے تھے۔ صوفیائے چشت کا توحید کا پرچار کرنا گویا کہ درج ذیل آیات قرآنی کے دیے ہوئے اصولوں کے عین مطابق تھا۔

''إن الله لا يغفر ان يشرک به ويغفر ما دون ذلک لمن يشاءُ۔''(۱۲)

''یعنی بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا اور شرک کے علاوہ جو چاہے جس کو چاہے معاف فرمادے گا۔''

اسی طرح صوفیہ چشت نے عوام الناس میں اس عقیدے کو رائج کیا کہ شرک ظلم عظیم ہے اور ہر طرح سے اس کا بطلان ہونا چاہیے۔ صوفیہ چشت کی یہ تعلیم درج ذیل حکم قرآنی کی مطابقت میں ہے کہ :

''لا تشرک باللہ إن الشرک لظلم عظیم۔''(۱۳)

''مت شرک کرو اللہ کے ساتھ بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔''

شاہ کلیم اللہ کے اسی اصول کو شاہ نور محمد مہاروی یوں کہتے ہوئے اپناتے ہیں کہ :

''برامم ماضیہ کو حوادث واقع می شدند محض برائے اظہار وحدت وجود۔''(۱۴)

یعنی ماضی میں امت مسلمہ کو جو حوادث پیش آئے (عقائد کے بگاڑ کے حوالے سے) ان کا ایک سبب اظہار مسئلہ وحدت الوجود ہے۔ چنانچہ صوفیائے چشت نے توحید کو اپنی اصل روح کے مطابق پیش کیا اور رائج کرنے کی کوشش کی۔ شاہ محمد سلیمان تونسوی فرماتے ہیں کہ :

''گل توحید نہ روید بہ زمینے کہ در دخار شرک وحسد و کبر وریا است۔''(۱۵)

یعنی توحید کا پھول اس زمین پر نہیں اگتا جہاں شرک، حسد، کبر اور ریا کے کانٹے موجود ہوں زوال وانحطاط کے زمانہ میں سینکڑوں معاشرتی بیماریوں کی طرح شرک بھی ایک ایسی بیماری ہے کہ جس کی ابتداء تو چار دیواری سے ہوتی ہے مگر رفتہ رفتہ قوم مجموعی حیثیت سے اس بیماری میں مبتلا ہو جاتی ہے اور یہ بیماری معاشرے میں پنپنے لگتی ہے۔ چنانچہ صوفیائے چشت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ گھر کی چار دیواری میں بچوں کے عقائد کی اصلاح پر توجہ دینے کی تلقین فرمایا کرتے تھے اگر ہم آج کے دور میں مشاہدہ کریں تو آج بھی مزارات پر مشرکانہ رسومات ملتی ہیں۔ جن میں مزارات کے طواف سے لے کر سجدہ تعظیمی تک وغیرہ شامل ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں ہمیں موجودہ معاشرت میں صوفیۂ چشت کی تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے ان عقائد باطلہ کا بطلان کرنا چاہیے۔ اس ضمن میں سب سے بڑی ذمہ داری صوفیہ وعلماء کی ہے مگر ان کے ساتھ ساتھ ہماری پارلیمنٹ اور شوریٰ کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان عقائد باطلہ کے بطلان کے لیے باقاعدہ قانون سازی کریں اور یہ قانون نافذ العمل بھی ہونا چاہیے۔ حکومت وقت کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان عقائد باطلہ اور مشرکانہ رسومات کو اختیار کرنے والوں کے لیے کڑی سزا ہونی چاہیے تاکہ ان باطل عقائد کی اصلاح معاشرہ میں ممکن ہو سکے۔ صوفیۂ چشت اس وقت میں بھی کہ جب سیاسی طور پر مسلمان انحطاط و زوال کا شکار تھے ان عقائد کے بطلان کے لیے منظم قانون سازی کی کوششیں کرتے رہے۔ لہٰذا آج کے دور میں عقائد باطلہ کے رد کے لیے صوفیہ کی تعلیمات سے استفادہ کر کے قانون سازی کی ضرورت ہے۔

توہم پرستی اور رسومات باطلہ کا بطلان :

عقائد کے بگاڑ میں شرک کے ساتھ ساتھ جو دوسرا مسئلہ اس وقت میں سامنے آتا ہے وہ توہم پرستی کا ہے۔ توہم پرستی بھی بالواسطہ اور بلاواسطہ انسان کو شرک میں مبتلا کرتی ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں بھی سورج گرہن اور چاند گرہن کے اوقات میں مختلف احتیاطیں کرنے کے اوہام موجود تھے۔ اور آدھے سر کے بالوں کو صاف کرنا اور ایک بودی کی طرح سے سر کے کچھ بالوں کو رکھنا اس کو نیک شگون سمجھا جاتا تھا کہ یوں

کرنے سے بچہ شیطانی اثرات سے بچ کر نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے اور سعادت مند ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس وقت ایک اور معاشرتی بیماری چڑھاوے چڑھانے اور بد عقیدہ منتیں ماننا تھا۔ جو کہ تمام تر ھندومت سے مستعار لی گئی بیماریاں تھیں۔ چنانچہ غیر شرعی منتوں کو صوفیۂ چشت نے باطل قرار دیا اور اس طرح کی غیر شرعی حرکات کرتے ہوئے صدقات نافلہ کی صورت میں مانی گئی منتوں کو ہی برحق قرار دیا اور نوافل کے ذریعے قرب خداوندی کے حصول کی طرف توجہ دلائی۔ چنانچہ شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے منت کے ضمن میں درج ذیل آیت کا درس عام کیا کہ:

''ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما وأسیرا۔''(۱۵)

''اوو ہ لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

یہ آیت مبارکہ اس ضمن میں نازل ہوئی کہ حسینؓ کریمین بیمار ہو گئے اور سیدنا علیؓ، سیدہ فاطمہ اور ان کی لونڈی فضہ نے منت مانی کہ اگر یہ صحت یاب ہو جائیں تو ہم تین دن تک روزہ رکھیں گے۔ چنانچہ پہلے دن افطار کے وقت ایک مسکین نے صدا لگادی تو تینوں نے گھر کا کھانا اسے دے دیا، دوسرے دن ایک یتیم نے اور تیسرے دن ایک اسیر نے صدا لگادی تو تینوں کو تین دن افطار کے وقت کھانا دے دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الدھر کی یہ آیت مبارکہ نازل فرمادی۔ صوفیہ چشت بعد میں بھی شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے منت کے باب میں اس آیت کا درس دیتے اور لوگوں کو منت کے لیے صدقات نافلہ کی ترغیب دیتے۔

موجودہ دور میں بھی ہم مختلف طرح کی توہم پرستی کو معاشرے میں رائج ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ جیسے کہ چاند گرہن کے وقت حاملہ خواتین کو ہدایات دی جاتی ہیں لوگوں میں نیک اور بد شگونی کے معاملے میں مختلف قسم کے اوھام موجود ہیں۔ اس طرح میلاد النبی ﷺ اور محرم الحرام کی وہ رسومات جن کا شریعت مطہرہ کے باب میں کوئی دخل نہیں مثلاً میلاد النبی ﷺ پر پنگھوڑہ نکالنا محرم الحرام میں شبینہ ذوالجناح نکالنا اور اس شبینہ ذوالجناح کے نیچے سے گزرنے کو سعادت مندی کا شگون سمجھنا، شبیہ ذوالجناح کے ساتھ چڑھاوے چڑھانا وغیرہ۔ یہ سب وہ رسومات باطلہ ہیں کہ جن کا شریعت محمدیہ ﷺ میں کوئی دخل نہیں۔ آج بھی ہمیں ضرورت ہے کہ صوفیہ چشت کی طرح قرب خداوندی کے باب میں صدقات نافلہ کو ہی ترجیح دیں اور ان باطل رسومات کو ترک کر دیں۔ اس ضمن میں سب سے بڑی ذمہ داری صوفیہ اور علماء پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ان رسومات بد کا بطلان کریں اور لوگوں کو اصل شرعی پیغام پہنچائیں۔ دوسری ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ ایسی قانون سازی کریں کہ ان توہم پرستیوں کا ازالہ ہو سکے۔

توہم پرستی اور بد شگونی کی بناء پر ایک اور رسم باطلہ اس زمانے میں معاشرے میں موجود تھی جو کہ آج بھی کسی نہ کسی حد تک پائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ سادات کا غیر سادات کے ساتھ نکاح کو شرعاً ناجائز اور مباح سمجھا جاتا تھا۔ لوگ سادات سے نکاح نہیں کرتے تھے۔ جس کے نتیجے میں سادات خواتین اکثر کفو میں رشتے ہونے کے باوجود کنواری ہی رہ جاتی تھیں۔ چنانچہ صوفیۂ چشت نے اس اہم باطل رسم کا بطلان کیا اور ظاہر کو شریعت سے آراستہ کر کے اس پر قائم رہنے کی تلقین کی چنانچہ حافظ جمال اللہ ملتانی نے ایک مرتبہ زاہد شاہ سے پوچھا کہ تم کہیں شادی کرنا

چاہتے ہو تو انہوں نے کہا کہ ایک جگہ کرنا چاہتا ہوں مگر وہ لوگ سادات میں سے نہیں تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ جب غیر سادات کے ساتھ نکاح شرعاً جائز ہے تو جاہلوں کی بات کا اعتبار کیوں کرتے ہو۔

''نکاح سادات باغیر سادات در شرع جائز است تو گفتہ جاھلاں راچہ اعتباری کنی۔''(۱۷)

یعنی جب سادات کا غیر سادات سے نکاح جائز ہے تو پھر اس میں جاہلانہ تاویلوں کو مد نظر نہیں رکھنا چاہیے۔ چنانچہ عصر حاضر میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوانہ تہذیب و ثقافت کا اثر اس وقت بھی ذہنوں پر موجود ہے چنانچہ اس بات کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے کہ شادی بیاہ میں کفو کا اعتبار صرف ہم ذات کو سمجھا جاتا ہے اور ذات پات کا خیال رکھنے سے ہم بہت سے مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے معاشرے میں جٹ، رانا، بھٹی، آرائیں، اعوان، وغیرہ سادات کے علاوہ بھی قوم پرستی اس حد تک غالب ہے کہ ایک قوم کے شخص کی دوسری میں شادی کو غلط سمجھا جاتا ہے اور نہ جانے صرف اسی بنیاد پر کتنے لوگوں کی زندگیوں سے کھیلا جاتا ہے کہ غیر کفو شرعی میں نکاح سے جو تفاوت پیدا ہوتا ہے آخر کار وہ طلاق کی نوبت تک جا پہنچتا ہے۔

توہم پرستی کے علاوہ موجودہ معاشرے کی طرح سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں معاشرتی بیماریوں میں یہ بیماری عام تھی کہ لوگ جادو ٹونہ اور تعویذات شرکیہ کی طرف راغب ہوتے اور ان اعمال بد پر یقین رکھتے تھے۔ صوفیہ چشت نے انکانہ صرف رد کیا بلکہ مخاصمہ بھی کیا اور عقیدہ توحید کے اس جزو کو بھی سنوارا اور لوگوں کو خدا تعالیٰ پر توکل کی تعلیم دی۔ چنانچہ اس ضمن میں شاہ سلیمان تونسویؒ یوں فرماتے ہیں کہ :

''مومن را باید کہ سوائے جناب حق وعزوجل تکیہ گاہ خود نہ بیند۔''(۱۸)

''یعنی مومن کو چاہیے کہ اللہ عزوجل کے سواء کسی پر بھی تکیہ نہ کرے۔''

آپ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ غیر اللہ پر تکیہ کرنا حادث ہے۔ حضرت خلیلؑ نے خدا پر تکیہ کیا تو نار بھی گلزار ہو گئی۔ چنانچہ آپ کا فرمان درج ذیل آیت کی تشریح ہے کہ :

''قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علی إبراھیم۔''(۱۹)

''ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا ابراہیمؑ پر۔''

جادو وغیرہ اعمال باطلہ میں سے ہیں اور صوفیہ چشت ہمہ وقت توکل علی اللہ کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں جو کہ ان اعمال باطلہ کا رد ہے۔ آج کی معاشرت میں جگہ جگہ جادو، ٹونہ وغیرہ کے عاملین موجود ہیں۔ جن کے خلاف نہ تو کوئی قانون حرکت میں آتا ہے اور نہ ہی کوئی سزا نافذ العمل ہوتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اوامر باطلہ کا رد کیا جانا چاہیے اور ایک منظم قانون سازی کے ذریعے ان ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہیے کہ جو لوگوں کی زندگیوں کے ساتھ کھیلتے ہیں اور مال بٹورنے میں لگے رہتے ہیں۔ دوسری بڑی ذمہ داری علماء و مشائخ پر ہے کہ وہ عوام کی یوں تربیت کریں کہ انہیں اللہ پر توکل کا درس دیں اور ایسے جھوٹے عاملین کے پاس جانے سے سختی سے روکیں۔ صوفیہؒ نے ہمیشہ صدقات نافلہ کے ذریعے قرب الٰہی کی رغبت دی ہے۔ چنانچہ صوفیۂ چشت کی انہیں تعلیمات کا بار بار درس دیا جانا چاہیے۔

۲۔ صیانت عقیدہ رسالت ﷺ:

تحفظ عقیدہ توحید کے ساتھ ساتھ صوفیہ کرام نے اپنے دور میں عقیدہ رسالت کے تحفظ کے لیے بھی کردار ادا کیا۔ موجودہ دور میں بھی عقیدہ رسالت کے تحفظ کے ضمن میں اس سے ملتے جلتے مسائل پائے جاتے ہیں جن کا سد باب صوفیہ کرام کی تعلیمات کے ذریعے کیا جاسکتا ہے چنانچہ عقیدہ رسالت میں آج کل جو بگاڑ کی صورتیں موجود ہیں ان میں درج ذیل قابل الذکر ہیں۔

(i) ختم نبوت کا انکار

(ii) حدیث رسول ﷺ کا انکار

(iii) خصائص نبوی ﷺ کا انکار

(iv) ترک سنت کے مختلف طرق

(i) ختم نبوت کا انکار:

گو کہ صریحاً سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں عقیدہ ختم نبوت پر کوئی چوٹ سرزد ہوتی نظر نہیں آتی مگر اٹھارہویں صدی میں برصغیر میں اس عقیدہ پر گہری چوٹ مرزا غلام احمد قادیانی کی صورت میں لگتی نظر آتی ہے۔ ختم نبوت کے انکار کی بھی مختلف صورتیں موجودہ دور میں رائج ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ مسیح موعود کا دعویٰ کرنا اور پھر مسیحؑ کی نبوت کو داعی پر چسپاں کرنا۔ اور دوسری صورت صریحاً نبوت کا دعویٰ کرنا ہے۔ صوفیہ چشت میں متاخرین نے اس ضمن میں متقدمین کی سنت پر عمل کیا اور صوفیۂ چشت میں پیر مہر علی وغیرھم نے اس فتنہ کا تعاقب کیا۔ سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں احادیث رسول ﷺ سے بے اعتنائی برتنا وغیرہ تو موجود تھا اور سنت کے ارتکاب میں بھی بہت زیادہ نرمی کا مزاج معاشرے میں موجود تھا جس کے خاتمے کے لیے صوفیہ نے اتباع سنت کی عملاً تلقین کے نقطہ نظر سے چھوٹی سے چھوٹی سنت کو اپنا کر سنت کی اہمیت کو یوں واضح کیا کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی سنت کو مقدم رکھا جانا چاہیے۔ موجودہ دور میں اسی سے ملتا جلتا مسئلہ ختم نبوت سے انکار ہے کہ جس کا حل صوفیۂ چشت کی تعلیمات سے ملتا ہے۔ صوفیہ چشت بالخصوص اور علماء و مشائخ بالعموم اس کے تعاقب میں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کاوشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کی شوریٰ میں آئینی طور پر یہ تسلیم کیا گیا کہ ختم نبوت کا منکر مسلمان ہی نہیں۔

(ii) حدیث رسول ﷺ کا انکار:

منکرین حدیث کی ایک قسم سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں بھی ملتی ہے کہ جو صریحاً تو حدیث کا انکار نہیں کرتے تھے مگر عملاً حدیث رسول ﷺ سے بے اعتنائی برتتے تھے۔

چنانچہ صوفیائے چشت نے اس معاشرتی بیماری کا بھی تعاقب کیا اور جا بجا حدیث رسول ﷺ کی تعلیم کو عام کیا۔ چنانچہ شاہ کلیم اللہ دہلوی سے لے کر شاہ سلیمان تونسوی تک ہر شیخ تعلیم حدیث کی طرف یوں نظر آتا ہے کہ یہ شیخ اپنے وقت کا شیخ الحدیث ہے۔ لوگوں میں حدیث

رسول ﷺ کا شعور اجاگر کرنا، اصطلاحات حدیث کے علم کو درسگاہوں میں خاص اہمیت دینا یہ مشائخ چشت کا اصول رہا ہے۔ چنانچہ خواجہ نور محمد مہاروی اس ضمن میں موضوع احادیث کا تعاقب کرتے نظر آتے ہیں اور جابجا اپنے ملفوظات میں وضع حدیث کا بطلان کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ شاہ فخر الدین کے متعلق منقول ہے کہ سید احمد ذکر کرتے ہیں۔

''خود صحیح مسلم در جناب اقدس تلمذی کنند و در خدمت حدیث مشغول اند و درس کتب معقول و منقول باشاگرداں می دھند و شب و روز مصروف بہ حکم مولانا در تعلیم و تعلم۔''(۲۰)

''وہ خود حضرت شیخ فخر الدین کی خدمت میں صحیح مسلم کا مطالعہ کرتے، اور خدمت حدیث میں مشغول رہتے اور منقول و معقول کتابوں کا درس دوسرے شاگردوں کو دیتے اور دن رات مولانا (فخر الدین) کے حکم سے تعلیم و تعلم میں مشغول رہتے۔''

اسی طرح شاہ سلیمان تونسویؒ کے بارے میں آتا ہے کہ جب بھی ان سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ حدیث کی مکمل سند بیان فرماتے اور پھر اس حدیث سے مسئلے کا استنباط کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ اصل فہم حدیث مجتہد کے بغیر ناممکن ہے۔

''فہم حدیث بغیر مجتہد کسی را نیست ما را عمل بر قول مجتہد است۔''(۲۱)

یعنی فہم حدیث کے باب میں ہمارا عمل مجتہد کے قول پر ہے۔ آج بھی موجودہ معاشرے میں انکار حدیث کے مختلف طرق موجود ہیں۔ جن میں سے ایک تو صریحا حدیث کا انکار کرنا اور صرف قرآن مجید ہی پر عمل کرنا ہے اور یوں کرنے والے لوگ جابجا احکام شرعی میں ٹھوکر کھاتے ہیں۔ مثلا نماز کی ادائیگی میں صرف اپنی زندگی میں نظم و ضبط قائم کرنے کو اقیموا الصلوٰۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نماز ظاہری کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی طرح آج کل روزہ کے حوالے سے بھی مختلف نکتہ ہائے نظر سننے کو ملتے ہیں۔ جن میں غامدی صاحب کے نقطۂ ھائے نظر صف اول میں آتے ہیں۔ تو متن حدیث رسول ﷺ سے دوری کی وجہ سے پیدا ہونے والی اس بیماری کا صوفیہ چشت نے خوب تعاقب کیا اور حدیث کی تعلیم کو عام کیا۔ آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ صوفیائے چشت کے ان مساعی کو سامنے رکھتے ہوئے حدیث رسول ﷺ کی تعلیم کو عام کیا جائے اور جزیات و مصطلحات حدیث کو طبقہ علماء میں رواج دیا جائے۔

(iii) خصائص نبوی ﷺ کا انکار:

موجودہ دور میں ایک اور فتنہ خصائص نبوی ﷺ کے انکار کی صورت میں نظر آتا ہے کہ لوگ تاویلوں سے کام لے کر خصائص میں خاص طور پر معجزات رسول ﷺ کے انکار کی طرف آتے ہیں۔ چنانچہ جیسے معراج النبی ﷺ کو تاویل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ معراج النبی ﷺ کا تعلق محض خواب رسول ﷺ سے ہے۔ اس ضمن میں بھی صوفیۂ چشت مشعل راہ ہیں کہ وہ خصائص نبوی ﷺ کو نہ صرف بیان کرتے ہیں بلکہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان کا ایک لازمی جزو سمجھتے ہوئے معجزات رسول ﷺ کی حکمتوں کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ نور محمد مہارویؒ کے ملفوظات میں جابجا معجزات رسول ﷺ کا ذکر ملتا ہے۔ صوم وصال کا ذکر ملتا ہے اور باقی صوفیۂ چشت بھی محبت رسول ﷺ کو عین ایمان تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ درود پاک کی کثرت کی تلقین فرماتے ہوئے درج ذیل صیغہ کی

تلقین فرماتے ہیں۔

''اللھم صل وسلم علی محمد تعینک الاقدام والمظھر الاتم لاسمک الاعظم بعد د تجلیات ذاتک وتعینات صفاتک وعلی اللہ ذلک۔''(۲۲)

اس درود پاک میں چونکہ نبی ﷺ کی صفات کا اور ان کے خصائص کا بیان ہے اور صوفیہ میں اس صیغہ کا رجحان ذات وصفات نبی ﷺ کی بلندی پر دلالت کرتا ہے۔

(iv) ترک سنت کے مختلف طرق:

عصر حاضر کا ایک اور اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ عمومی طور پر مسلمان اپنی زندگیوں میں بدعات اور دوسری تہذیبوں سے مستعار لی گئی رسومات کو اختیار کرتے ہیں۔ صوفیۂ چشت نے قطعی طور پر اس کی نفی کی ہے اور اتباع سنت کی تلقین کی ہے۔ اٹھارھویں صدی کے اواخر میں کچھ یوں صورتحال نظر آتی ہے کہ انگریز کا تسلط برصغیر پر بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اس تسلط کا واضح اثر مسلمانوں کی معاشرت پر بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ معاشرتی اعتبار سے بہت سی قدریں یورپ سے تہذیبی طور پر مستعار لی گئیں اور بہت سی بدعات ہندومت سے مسلمہ تہذیب میں داخل ہوئیں۔ شاہ کلیم اللہ دھلویؒ کا مؤقف تو بالکل واضح اور صراحت کے ساتھ یوں ہے کہ وہ بدعت کو اختیار کرنے والوں کو ملحد کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

''این ملحدان کہ شریعت رااز دست دادہ کلام طائل ملحدانہ بسبب گدائی ولقمہ چرب نمودہ بہ متشرعان طعنہ بے حقیقی میزنند، تعزیز کردنی اند کہ ہمہ توحید ایشاں بے معنی است وبے لطفی قالی است بے حال زنہار در صحبت ہم چنیں حمقا نخواھند نشست(۲۳)

''یہ ملحد جنہوں نے ہاتھ سے شریعت کو چھوڑ دیا ہے اور ملحدانہ باتیں لقمہ چرب حاصل کرنے کے لیے بکتے ہیں اور متشرع لوگوں کو بے حقیقی طعنہ دیتے ہیں۔ سزا کے قابل ہیں ان کی توحید سب بے معنی ہے وہ حال سے خالی ہیں ایسے احمقوں کی صحبت میں نہیں بیٹھنا چاہیے۔''

موجودہ دور میں ایک اور سماجی نظریہ ملتا ہے کہ لوگ شریعت اور طریقت کو الگ الگ تصور کرتے ہیں اور ایسا نظریہ دراصل صوفیہ خام کی طرف سے رواج پایا ہے تاکہ شریعت کی پابندیوں کے بغیر بس طریقت ہی طریقت کا شور مچا کر لوگوں کو اصل راہ سے گمراہ کر دیا ہے۔ صوفیہ چشت نے شریعت وطریقت کا باہمی ربط کچھ یوں بیان کیا ہے۔

''مینار حقیقت طریقت است، ومینار طریقت شریعت، آنکہ در چشم او جمال شریعت بیش بود، طریقت وحقیقت اتم واکمل بود۔''(۲۴)

''یعنی حقیقت کا مینار طریقت ہے اور طریقت کا مینار شریعت ہے اور یہ کہ اس کی نظر میں شریعت کا جمال ہی سب سے زیادہ ہے جبکہ طریقت و حقیقت انم واکمل ہیں۔''

چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ صوفیائے چشت کے بیان کردہ درخشاں اصولوں کی پیروی کو یقینی بنایا جائے اور سماج میں اس کے تاثر کو اسی طرز پر بحال کیا جائے جس طرز پر سترھویں اٹھارھویں صدی میں انقلاب واحیاء وتجدید کی کوششیں کی گئیں۔ چنانچہ صوفیہ چشت اس آیت

کی عملی تفسیر نظر آتے ہیں۔

''قل إن كنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله''(۲۵)

''اے نبی ﷺ فرمادیجئے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تم سے محبت کرے تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں پسند کریگا۔''

یہ امر مسلمہ ہے کہ محبت الٰہیہ کا مصداق ٹھہرنے کے لیے خدائے بزرگ و برتر کی قدرت کاملہ کے مظہر اتم نبی رحمت ﷺ ہی کی اتباع واحد قرینہ ہے۔ اتباع رسول ﷺ کے بغیر نہ تو اس دنیا میں زندگی آسان ہے اور نہ ہی اخروی نجات ہے۔ موجودہ زمانے میں سنت کی جگہ جس طرح سے بدعات نے لے لی ہے یہ ایک خطرناک امر ہے جس کا قلع قمع کرنے کے لیے صوفیہ چشت کے بتائے درخشاں اصول ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

۳۔اصلاح عقیدہ آخرت وشفاعت:

صوفیۂ چشت کی تعلیمات سے صریحا اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ان کا عقیدہ آخرت جزاء وسزا اور نیک وبد اعمال کے ساتھ منسوب ہے۔ چنانچہ خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ اپنے ملفوظات میں عمل صالح کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور درج ذیل آیت قرآنی کی تعلیم فرماتے ہیں کہ:

''ويوم يعض الظالم على يديه يقول يا ليتنى اتخذت مع الرسول سبيلا يا ويلتى ليتنى لم أتخذ فلانا خليلا۔''(۲۶)

''اور اس دن ظالم لوگ اپنے ہاتھوں کو منہ میں رکھے ہوئے بولیں گے کہ کاش ہم نے رسول ﷺ کا رستہ نہ چھوڑا ہوتا اور کاش فلاں شخص ہمارا دوست نہ ہوتا۔''

صوفیائے چشت کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے کہ جزاو سزا کا دارومدار نیک وبد اعمال پر ہے اور شفاعت اللہ کے اذن سے ہے۔ چنانچہ حافظ جمال اللہ ملتانیؒ اس ضمن میں اپنے مریدین کو اعمال صالحہ کی تنبیہ فرماتے ہیں اور مریدین کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ نافرمانوں کے لیے اللہ کا عذاب ہے اور فرمانبرداروں کے لیے جنت سے بڑھ کر اس کا کوئی انعام ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ ان کی یہ تعلیمات درج ذیل آیت قرآنی کی مطابقت ومتابعت سے ہیں۔

''والعصر إن الإنسان لفى خسرٍ إلا الذين آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔''(۲۷)

''زمانے کی قسم بے شک انسان خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرتے رہے اور حق کی تلقین اور صبر کی نصیحت کرتے رہے۔''

موجودہ دور میں بھی شفاعت رسول ﷺ کو اور دیگر اولیاء وعام مومنین کے شفاعت کے حق کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ یوں گمان ہوتا ہے کہ جیسے عمل کی ضرورت نہیں بس شفاعت مقربین خدا تعالیٰ ہی نجات کے لیے کافی ہے۔ موجودہ معاشرے میں اس عقیدہ آخرت کے بگاڑ کا حل صوفیۂ چشت کی تعلیمات سے ملتا ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی اور صوفیہ چشت (حدود وقیود)

بین المذاہب ہم آہنگی موجود دور کا ایک اہم مسئلہ ہے جس کا حل دین کی اصل کو برقرار رکھتے ہوئے دین حق کی دعوت و تبلیغ کے لیے نہایت ضروری ہے۔ موجودہ دور میں اس میں دو طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔

(i) حدود و قیود کا تعین کیے بغیر ہر طرح کے تعلقات کو استوار کرنا

(ii) یکسر غیر مسلم سمجھ کر معاشرتی رواداری کا بھی اہل نہ سمجھنا

صوفیۂ چشت نے ہر دو طرح کے ان رجحانات کا بطلان ہے۔ چنانچہ ان کا بین المذاھب ہم آہنگی کا درس درج ذیل آیات کی روشنی میں نظر آتا ہے۔

''قل یا أهل الکتاب تعالوا إلی کلمة سواء بیننا وبینکم۔''[۲۸]

''فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف جو آپ میں اور ہم میں مشترک ہے۔''

اسی طرح درج ذیل ارشاد ربانی پر عمل کرتے ہوئے اصول وضع کرتے ہیں کہ :

''ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة''[۲۹]

''اپنے رب کی طرف دعوت دیجئے حکمت (دانائی) اور مواعظ حسنہ کے ساتھ۔''

چنانچہ صوفیۂ چشت حدود و قیود کا خیال رکھتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے روادار نظر آتے ہیں۔ ان حدود میں ایک تو یہ کہ وہ غیر مسلم کے ہاتھ کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے۔ اور نہ ہی اپنی خواتین کا غیر مسلموں سے نکاح کرتے۔ لیکن ان کے ساتھ تعلقات کو روا رکھتے تاکہ دین اسلام کی دعوت و تبلیغ ان تک کی جاسکے۔ چنانچہ اس ضمن میں شاہ محمد سلیمان تونسویؒ فرماتے ہیں کہ :

''مومن را باید کہ ہیچ کس رنج ندہد بلکہ ہمہ مخلوق صلح کند''[۳۰]

یعنی صوفی کو چاہیے کہ تمام مخلوق سے صلح رکھے۔ معاشرے میں بین المذاہب ہم آہنگی سے متعلق ایک بگاڑ ایسا ہے جو سترھویں اور اٹھارویں صدی میں بھی بالکل اسی طرح موجود تھا جیسے آج موجود ہے۔ اور وہ یہ کہ ترقی پذیر قوم ہونے کی وجہ سے اکثر مسلمان عیسائیوں کے طرز پر زندگی گزارنے کے خواہاں ہیں اور عیسائی مشنری سے متاثر ہو کر بین بین عقائد کے حامل ہونے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ جو کہ سراسر تعلیمات اسلامی کے خلاف ہے۔ اسی کا نقصان ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے بنیادی عقائد میں بھی عیسائیت کی وجہ سے اختلاط کا شکار ہو جاتے ہیں اور ایک ایسے معاشرے (یورپ) سے متاثر ہوتے ہیں کہ اپنی اصل سے دور نکل جاتے ہیں۔

اس ضمن میں خواجہ نور محمد مہارویؒ اس فتنہ کا تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

''بسیار مسلماناوافرنگی از دین محمدی گرداہندہ از ایمان خارج کردہ اند اکہ ایشاں دین مسیحا از جہت صحبت اختیار کردہ اند۔''[۳۱]

''بہت سے مسلمانوں کو فرنگیوں نے دین محمدی ﷺ سے گمراہ کر دیا ہے اور ایمان سے خارج کر دیا ہے اور انہوں نے دین مسیحی صحبت کی غرض سے اختیار کر لیا ہے۔''

چنانچہ صوفیۂ چشت نے ہندوؤں سے ہمیشہ صلح اس بناء پر رکھی ہے کہ ان کو قریب لایا جائے اور دین حق کا پیغام ان تک پہنچایا جاسکے۔ شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے سلسلہ کی نشاۃ ثانیہ میں یہی اصول مرکز کی طرف سے رائج کیا کہ غیر مسلموں کو اپنی صحبت میں رکھ کر دین کی تبلیغ کی جائے۔ اور ان کے اسی اصول کی وجہ سے اورنگ آباد میں دیارام نے اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس کی وضاحت آپ کے مکتوب نمبر ۲۸ میں ملتی ہے۔

اس ضمن میں صوفیائے چشت نے ایک اصول واضح کیا کہ ہندوؤں اور دوسرے مذاہب کے باطل خداؤں کو برا نہ کہا جائے کہ مبادا اس کے جواب میں وہ ہمارے خدائے بزرگ و برتر کو برا کہیں گے۔

یہ اصول درج ذیل آیت قرآنی کی متابعت میں ہے:

''ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم۔''(۳۲)

''اور مت برا کہو ان کے معبودوں کو جو خدا کے سوا دوسروں کو معبود پکارتے ہیں کہ وہ تمہارے خدا تعالیٰ کو برا کہیں گے بغیر علم کے۔''

چنانچہ اس ضمن میں درج ذیل اصول صوفیۂ چشت نے اپنائے کہ جن کی پاسداری کرتے ہوئے ہم بین المذاہب ہم آہنگی کی راہ استوار کر سکتے ہیں۔

۱۔ غیر مسلموں کو اپنی صحبت اور دروس میں بیٹھنے دینا اور دین کا پیغام پہنچانا۔

۲۔ ان کے باطل خداؤں کو برا نہ کہنا۔

۳۔ ان کے دین باطل سے متاثر نہ ہونا اور شریعت محمدیہ ﷺ کا ہی پاسدار رہنا۔

۴۔ ان کے ساتھ تمام معاشرتی رواداریوں کو روا رکھنا۔

۵۔ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ نہ کھانا مگر ان کی ہر طرح سے کھانے پینے کے معاملے میں خدمت کرنا۔

۶۔ ان کے مشنری اہداف کو جانتے ہوئے اپنے ایمان کی حفاظت کرنا۔

۷۔ وتعاونوا علی البر والتقویٰ کے اصول کو سامنے رکھنا۔

۸۔ ان کے ساتھ شادی اور نکاح کے سلسلے میں اسی اصول پر کاربند رہنا کہ غیر مسلم مرد کی مسلمان عورت سے شادی نہیں ہو سکتی البتہ اہل کتاب خاتون کی مسلمان مرد سے شادی ہو سکتی ہے۔ مگر آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ خاص طور پر یورپ میں مسلمان خواتین بھی غیر مسلموں سے شادی کرتی ہیں۔ جو کہ تعلیمات اسلامی کے صریحا مخالف ہے۔ اسی طرح ہم بہت سی معاشی برائیوں میں بھی بین المذاہب آہنگی کے نام پر اصول دین کی صریحا خلاف ورزی کرتے ہیں۔ جن میں سے سودی نظام پر منحصر بینکاری وغیرہ شامل ہے۔ چنانچہ بین المذاہب ہم آہنگی کی حدود و قیود میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ وہ تمام عوامل کہ جن سے شریعت مطہرہ کی بنیادوں کو نقصان پہنچے وہ کسی طور مذہبی رواداری کے ضمن میں نہیں آتے۔

دوسری طرف وہ رجحان جس میں غیر مسلموں کے ساتھ بالکل کسی طور پر کوئی تعلق نہیں رکھا جاتا یہ بھی اسلام کے اصولوں کے منافی ہے چنانچہ صوفیہ نے ہر دو طرح کے رجحانات میں اعتدال کا رویہ اپنایا ہے۔ بین المذاہب ہم آہنگی کا معاملہ موجودہ دور میں سنگینی اختیار کر چکا ہے کیونکہ ان دونوں (مذکورہ) رجحانات کا بڑھتا ہوا انتشار معاشرے میں پایا جارہا ہے۔ ایک طرف مسلمان اپنی شناخت تک گنوا بیٹھتے ہیں تو دوسری طرف معصوم غیر مسلموں کا بے دریغ قتل ہوتا ہے۔ دونوں رجحانات میں اعتدال کے لیے صوفیۂ چشت کی تعلیمات سے استفادہ بہت ضروری ہے۔ خاص طور پر جو درج بالا اصول صوفیہ نے وضع کیے ہیں ان کی روشنی میں قانون سازی کی جائے اور وہ قانون نافذ العمل بھی ہونا چاہیے۔

ایک اہم ترین مسئلہ برصغیر میں ایسا در پیش ہے جس کی حساسیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور وہ مسئلہ قادیانیت کے حوالے سے ہے کہ اگر ہم بین المذاہب ہم آہنگی میں جماعت احمدیہ اور قادیانیت کی بات کریں تو بھی صوفیائے چشت کے درج بالا اصول واضح ہیں کہ ان کی صحبت کو اختیار کرنا منع اس لیے ہے کہ اپنے ایمان و شناخت کی حفاظت ہو سکے۔ قادیانیت سے متعلق فتاوی الحاد ہے۔ لہٰذا رواداری میں بھی ایمان کی حفاظت کو مقدم رکھنا ضروری ہے۔

i۔ سیکولرزم اور مابعد جدیدیت:

صوفیہ چشت نے ہمیشہ وحدت خداوندی کا درس دیا ہے اور عقیدہ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے ہر صوفی نے اعمال صالح کی تلقین کی ہے لیکن موجودہ دور میں ایک ایسا طبقہ سامنے آیا ہے کہ جو خدا کی ذات اور صفات سے انکار کرنے والا ہے اور کسی بھی الہامی طاقت کو نہیں مانتا اور تصور یہ رکھتا ہے کہ یہ دنیا خود بخود بنی ہے اور خود بخود ختم ہو جائیگی محض اس ایک نظریے نے کہ کوئی خدائی طاقت نہیں، تمام انسانی زندگی کا توازن ختم کر دیا ہے۔ یوں نہ ہی عقیدہ آخرت پر یقین ہو سکتا ہے نہ ہی جزا اور سزا پر۔ جب جزا اور سزا کی نظریاتی نفی ہو جائیگی تو انسان بے راہ روی کا شکار ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ سیکولر طبقہ میں خودکشی یا اپنی مرضی سے دنیا چھوڑ دینے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ جس میں جاپان سرفہرست ہے کہ جاپان اور دیگر اسی طرح کے ممالک میں باقاعدہ قانون کے مطابق جو شخص دنیا چھوڑنا چاہے چھوڑ سکتا ہے جبکہ دین اسلام انسان کی فطرت کے عین مطابق ہے اور اس بات کی نفی کرتا ہے۔

ان باطل نظریات کا مخاصمہ صوفیۂ چشت کی تعلیمات کی روشنی میں بطریق احسن کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ تمام صوفیہ کی تعلیمات میں یکتا خدا، الٰہ واحد کی طرف رجوع کا سبق ملتا ہے۔ چنانچہ خواجہ محمد عاقل ﷺ اور خواجہ مہاروی جابجا وحدت خداوندی کا درس دیتے ہیں اور سیکولرزم سے متعلقہ عقائد کی نفی کر کے جزاء و سزا کی طرف اور اعمال صالحہ کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔

صوفیۂ چشت میں واحد شخصیت شاہ نیاز احمد بریلوی ہیں کہ جو وحدت ادیان پر یقین رکھتے ہیں۔ لیکن ان کی شخصیت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ نہایت درد بھرے لہجے میں تمام عوام الناس کی فلاح کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات کرتے ہیں کہ سب ایک ہی مذہب کے بنیادی طور پر حامیین ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ واحد صوفی ہیں جنہوں نے اٹھارویں صدی میں باقاعدہ وحدت الوجود کے دروس دیے اور اپنی شاعری میں وحدت الوجود کے نظریہ کی جزئیات کو واضح کیا ذیل میں وحدت ادیان اور وحدت الوجود سے متعلق ان کے اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔

جو رب الحرم ہے صنم بھی وہی ہے حرم و دیر میں یکساں دیکھتا ہوں
اے برہمن اور اے شیخ مانے یہ آپس کا جھگڑا کہاں دیکھتا ہوں
اگر کوئی جانے جہاں غیر حق ہے سو میں اس کو دھوکا گمان دیکھتا ہوں
یہ جو کچھ کہ پیدا ہے سب عین حق ہے ہ بحر ھستی رواں دیکھتا ہوں

لیکن شاہ نیاز احمد بریلویؒ کے ان نظریات کو اگر عوام الناس تک ہدایت کے درد کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کچھ گنجائش پیدا ہوتی ہے مگر جہاں مسلمانوں کی شناخت کی بات ہے تو وحدت ادیان میں دین اسلام کو جو رفعت و شان اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے وہ برحق ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

''إن الدين عند الله الإسلام۔''(۳۳)

''بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے۔''

موجودہ معاشرت میں بھی ہم صوفیۂ چشت کے بین المذاہب ہم آہنگی کے ان اصولوں سے رہنمائی لیتے ہوئے سیکولرزم، مابعد جدیدیت جیسے مسائل کا حل لے سکتے ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو اس مقالہ کی مدد سے استدعا کی جاتی ہے کہ صوفیۂ چشت کے ان اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بین المذاہب ہم آہنگی پر قانون بنایا جائے۔

ii۔ رد عقائد معتزلہ و روافض:

عقائد میں بگاڑ کے حوالے سے ایک اور معاشرتی برائی اور سماجی رویہ جس کو صوفیۂ چشت نے بروقت دیکھا اور سد باب کیا وہ عقائد روافض کا رد ہے۔ چنانچہ معتزلہ اور روافض کو صوفیۂ چشت کی اصطلاح میں بد مذھب کہا گیا ہے۔ اور اسی پر قیاس کرتے ہوے موجودہ دور میں فتنہ قادیانیت کو بھی اسی اصطلاح کی ذیل میں لایا جاسکتا ہے۔ چنانچہ صوفیۂ چشت بین المذاہب ہم آہنگی میں تو رواداری کے حامل ہیں مگر بد مذھبوں کے حوالے سے بہت سخت نظریہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ صلح کل کا معاملہ غیر مسلموں کے ساتھ رکھتے تھے مگر بد مذھبوں کے حوالے سے سخت ترین الفاظ میں تردید فرماتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

''سالک را باید کہ صحبت بد مذھباں خود را دور دارد، اگرچہ در صحبت ایشاں نعیم دنیاوی موجود شوند ہر گز اختیار نکند بلکہ بر گرسنگی و برھنگی گذران بہتر است۔''(۳۴)

''یعنی سالک کو چاہیے کہ بد مذھبوں کی صحبت سے اپنے آپ کو دور رکھے۔ چاہے ان کی صحبت میں دنیاوی فوائد ہی موجود ہوں ہر گز ان سے میل جول نہ رکھے بلکہ بھوکا اور ننگا رھنا اس سے بہتر ہے۔''

اسی طرح صوفیۂ چشت بد مذہبوں کی کتابوں کو بھی نہ پڑھنے کی تلقین کرتے تھے۔ حافظ جمال اللہ ملتانیؒ نے اپنے ایک مرید کو ایسی کتاب نہ پڑھنے دی جس کا مصنف معتزلی تھا۔ تمام صوفیہ چشت نے ہمیشہ جماعت اہل سنت کے عقائد کو فروغ دیا۔

چنانچہ شاہ کلیم اللہ دہلوی کو جب شاہ نظام الدین اورنگ آبادی نے روافض کے حوالے سے بتایا تو آپ نے بالکل واضح طور پر روافض کے عقائد کا بطلان کرنے کا حکم دیا۔ اس ضمن میں شاہ کلیم اللہ دہلوی نے رسالہ روافض تحریر کیا جس میں روافض کے باطل نظریات پر کاری ضرب لگائی اور بدعات کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اسی طرح ملفوظات خواجہ نور محمد مہاروی میں جابجا عقائد اہل سنت کی ترویج ملتی ہے۔ خواجہ فخر الدین دہلوی نے عقائد روافض کے رد کے لیے نظام العقائد کے نام سے کتاب لکھی اور اس میں معتزلہ اور روافض کے عقائد کا بطلان کیا اور عقائد اہل سنت کی ترویج کی۔ نظام العقائد علم عقائد پر ہے اس میں نہایت عمدگی اور اختصار سے اسلام کے بنیادی عقائد پر بحث کی گئی ہے۔ سبب تالیف میں یہ بیان کیا کہ اجودھن کے لوگوں نے شاہ فخر الدین دہلویؒ سے فرمائش کی کہ ایک ایسی کتاب مرتب کریں کہ جس میں روافض کے عقائد کا رد کیا جائے اور اھل سنت کے عقائد کو عبادات حنفیہ سے واضح کیا جائے۔

موجودہ دور میں درپیش چیلنجز اور ان کا حل :

عقائد کے بگاڑ اور بین المذاھب ہم آہنگی کے لیے وہ چیلنجز جو موجودہ دور میں درپیش ہیں ان کا احاطہ پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے ذیل میں ان کی ایک فہرست پیش کی جاتی ہے اور صوفیہ چشت کی تعلیمات کے تناظر میں ان چیلنجز کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ سماج میں سجدہ تعظیمی اور مزارات کے طواف کے جیسی بدرسومات پائی جاتی ہیں جن کا شریعت اور تعلیمات صوفیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ان عقائد کی اصلاح کے لیے تبلیغی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ منظم قانون سازی کو نافذ العمل بنایا جائے۔ توہم پرستی جادو وغیرہ سے متعلقہ کسی بھی چیز کا صوفیہ کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں۔ صوفیہ نے بالعموم اور صوفیہ چشت نے بالخصوص انکار کیا۔ لہٰذا ان کی روک تھام کے لیے سخت ترین قانون سازی کی ضرورت ہے۔ اگر قانون موجود ہے تو نافذ العمل بنایا جائے۔

۲۔ مذھبی رواداری اور مذہبی آزادی اپنی جگہ پر لیکن آزادی رائے کے اظہار کے تناظر میں کسی کو بھی دوسرے مذہب پر کسی بھی حوالے سے اھانت کا حق حاصل نہیں۔

۳۔ مذہبی ہم آہنگی کے لیے کام کرنے والے اداروں کو صوفیۂ چشت کے ان اصولوں کو سامنے رکھنا چاہیے۔

i۔ غیر مسلموں کے ساتھ ہر طرح کی رواداری کا سلوک کیا جانا چاہیے ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے۔

ii۔ غیر مسلموں کا ذبیحہ حرام ہے لہٰذا اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ غیر مسلم ذبح نہ کرے۔

iii۔ غیر مسلموں اور مسلمانوں تمام مذاھب کے لوگوں کو دیے گئے حق آزادی رائے کا مطلب اھانت نہیں۔ اس کے لیے قانون فعال بنانا Interfaith harmony کے لیے نہایت ضروری ہے۔

iv۔ رسومات بد اور غیر شرعی رسومات کی روک تھام کے لیے قانون نافذ العمل ہونا چاہیے۔

v۔ غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں اپنے افکار کی ترویج نہیں کرنے دینی چاہیے۔ قانون اسلام اور صوفیۂ چشت کے اصول یہ بات واضح کرتے ہیں کہ یوں انتشار کی فضا قائم ہوتی ہے البتہ پرامن ماحول میں مخاصمہ یا مجادلہ یا مناظرہ میں کوئی حرج نہیں۔ ہر مذہب کے ماننے

والوں کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے۔

یوں اصلاح عقائد اور بین المذاہب ہم آہنگی میں صوفیہ چشت سلسلہ کے ایک نظام کو مستقل طور پر وضع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور عقائد اسلامی کی اصلاح اور ترویج میں سترہویں صدی عیسوی میں شاہ کلیم اللہ دہلوی مکتوبات کی صورت میں بھی احیاء ملت کی جدوجہد میں پیش پیش نظر آتے ہیں چنانچہ اپنے خلفاء کو بہت وسوز انداز میں اعلائے کلمۃ اللہ کی تلقین کرتے ہیں اور عقائد باطلہ کا رد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یوں ہم سترہویں اور اٹھارہویں صدی کے صوفیائے چشت کی خدمات سے عصر حاضر میں استفادہ کر سکتے ہیں کیونکہ عصر حاضر میں بھی صوفیہ کے دور سے منطق عقائد میں بگاڑ دیکھنے کو ملتا ہے۔ چنانچہ یہود و نصاریٰ کی طرح اولیاء کی قبروں کو لوگ سجدہ گاہ بناتے ہیں۔ منگل کے دن کو آج بھی نحوست والا دن قرار دیا جاتا ہے، بچوں کے بالوں کی لٹوں کو خوش بختی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح عصر حاضر میں بھی برصغیر میں متعصبانہ انداز واضح ہے۔ چنانچہ پاکستان میں بین المذاہب تعصبات اگرچہ نسبتاً کم ہیں لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کو ہندوؤں اور سکھوں سے تقریباً ویسے ہی حالات درپیش ہیں۔ عصر حاضر میں ایک اور مذہب عیسائیت پاکستان اور ہندوستان میں بہت حد تک مؤثر ہے۔ چنانچہ ہمیں عصر حاضر میں بھی یہ مسائل دیکھنے کو ملتے ہیں کہ عیسائیوں کی عبادت گاہوں پر حملے کیے جاتے ہیں اور زدوکوب کیا جاتا ہے۔ صوفیائے چشت کے وضع کردہ اصول اگرچہ اس وقت کے تناظر میں ہندو مذہب کے ساتھ خاص تھے لیکن بالعموم تمام مذاہب کے ساتھ ان اصولوں کے تحت تعلقات استوار کیے جا سکتے ہیں۔ مگر یہاں ایک امر واضح ہے کہ مشائخ چشت ہمیشہ شرعی حدود و قیود میں رہتے ہوئے بین المذاہب تعلقات کے حامی ہیں۔ چنانچہ غیر مسلم کے ہاتھ کا ذبیحہ حرمت میں ہی آتا ہے اور نکاح کے معاملے میں شرعی اصولوں کو سامنے رکھا جائے۔ چنانچہ اصلاح عقائد اور بین المذاہب تعصبات کے خاتمے کے لیے صوفیائے چشت کے درخشاں اصولوں کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے اور ان کی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ شرک کا خاتمہ کر کے توحید باری تعالیٰ کا پرچار کیا جا سکے اور بین المذاہب ہم آہنگی اور رواداری کی فضا قائم کی جا سکے۔

حوالہ جات

۱۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب البحث علی طلب العلم، رقم الحدیث: ۳۵۴۱

۲۔ سنجری، خواجہ حسن، فوائد الفواد (ملفوظات شیخ نظام الدین)، دہلی: مطبوعہ جامع پریس، ۱۹۳۳ء، ص ۱۵۶

۳۔ الطبرانی ابوالقاسم سلیمان بن احمد، المعجم الکبیر، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۸۶ء، رقم الحدیث ۵۹۴۲

۴۔ فوائد الفوائد، ص: ۱۱

۵۔ البخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۶۵ء، رقم الحدیث: ۵۲

۶۔ امام الدین، مولانا، نافع السالکین (ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی)، لاہور: ضیاء القرآن پبلشرز، ص: ۱۷۲

۷۔ التحریم: ۸

۸۔ المروزی، ابوعبداللہ محمد بن نصر، تعظیم قدر الصلوٰۃ، مدینۃ المنورہ: مکتبۃ الدار، ص: ۸۴۲

۹۔ فوائد الفوائد، ص: ۲۱۹
۱۰۔ دہلوی شاہ ولی اللہ، تفہیمات الہیہ، مطبوعہ دہلی: ص: ۵۵
۱۱۔ سرہندی، شیخ احمد، مکتوبات امام ربانی،، مکتوب نمبر ۹۶
۱۲۔ النساء: ۴۸
۱۳۔ لقمان: ۱۳
۱۴۔ حاجی محمد نجم الدین، مناقب المحبوبین، رامپور: مطبع محمد حسن، ص: ۹۷
۱۵۔ امام الدین، مولانا، نافع السالکین (ملفوظات خواجہ سلیمان تونسوی)، لاہور: ضیاالقرآن پبلشرز، ص: ۲۹
۱۶۔ الدھر: ۸
۱۷۔ مناقب المحبوبین، ص: ۱۳۰
۱۸۔ نافع السالکین، ص: ۷۵
۱۹۔ الانبیاء: ۶۹
۲۰۔ نظام الملک، مناقب فخریہ، ص: ۲۳
۲۱۔ نافع السالکین، ص: ۱۱۳
۲۲۔ مکتوبات کلیمی، مکتوب نمبر: ۱۰۲
۲۳۔ ایضا، مکتوب نمبر: ۱۱۰
۲۴۔ ایضا
۲۵۔ آل عمران: ۳۱
۲۶۔ الفرقان: ۲۸،۲۷
۲۷۔ العصر: ۳،۱
۲۸۔ آل عمران: ۶۴
۲۹۔ النحل: ۱۲۵
۳۰۔ نافع السالکین، ص: ۱۵۵
۳۱۔ سیت پوری، حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد ملتان، مکتبۃ الجمال، ۲۰۱۵، ص: ۷۶
۳۲۔ الانعام: ۱۰۸
۳۳۔ آل عمران: ۱۹
۳۴۔ نافع السالکین، ص: ۱۶۲